’’حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ‘‘ کے معنی اور مفہوم کیا ’’رگِ جان‘‘، ’’دل کی رگ‘‘ ہیں؟
قرآنِ مجید اور اس کی زبان عربی مبین کے مطابق نہیں!

اللہ رب العزت کا سورۃ قٓ کی آیت ۱۶-۱۸ میں فرمان ہے

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَـٰنَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهِۦ نَفۡسُهُۥۖ وَنَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ ٱلۡوَرِيدِ ۝١٦ إِذۡ يَتَلَقَّى ٱلۡمُتَلَقِّيَانِ عَنِ ٱلۡيَمِينِ وَعَنِ ٱلشِّمَالِ قَعِيدٞ ۝١٧ مَّا يَلۡفِظُ مِن قَوۡلٍ إِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيبٌ عَتِيدٞ ۝١٨

’’اور ہم نے انسان کو تخلیق کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو خیال اس کے نفس میں ہے۔ اور ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں بہ نسبت حبل الورید (’’پہنچانے والی رسی‘‘) کے (اِذۡ) اُس وقت جب (يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيَانِ) لیتے ہیں دو لینے والے (عَنِ الۡيَمِينِ وَ عَنِ الشِّمَالِ) ایک دائیں جانب سے اور ایک بائیں جانب سے، قَعِيدٌ (صیغہ واحد کا ہے) بیٹھا ہوا۔ انسان قول میں سے کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا کہ (اسے لکھنے کیلئے) ایک تیار بیٹھا محافظ اسے لے‘‘۔

ان آیات مبارکہ کا اکیسویں صدی کے آغاز تک ’’ترجمہ اور تفسیر‘‘ کرنے کے انداز کی جھلک یہ ہے:

[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ تفسیر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن]

اور بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے ۱ اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں ۲ جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ۳ ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں ۴ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ (تفسیر: ۱ ہم سے اس کے سرائر و ضمائر چھپے نہیں۔ ۲ یہ کمال علم کا بیان ہے کہ ہم بندے کے حال کو خود اس سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وَرِید وہ رگ ہے جس میں خون جاری ہو کر بدن کے ہر جز میں پہنچتا ہے، یہ رگ گردن میں ہے [مولانا صاحب کا خیال صحیح نہیں۔ یہ رگ، Jugular Vein، سر اور گردن کے خون کو دل میں واپس لاتی ہے۔ اور یہ ایک نہیں دو ہوتی ہیں] معنی یہ ہیں کہ انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے پردے میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پردے میں نہیں۔ ۳ فرشتے، اور وہ انسان کا ہر عمل اور اس کی ہر بات لکھنے پر مامور ہیں۔ ۴ داہنی طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بدیاں۔ اس میں اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لکھنے سے بھی غنی ہے وہ اخفی الخفیات کا جاننے والا ہے۔ خطرات نفس تک اس سے چھپے نہیں۔ فرشتوں کی کتابت حسب اقتضائے حکمت ہے کہ روز قیامت نامہ اعمال ہر شخص کے اس ہاتھ میں دے دیئے جائیں گے۔

[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالت اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں (۲)۔ **اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں** (۳) جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ (انسان) منہ سے کوئی لفظ نہیں نکال پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے'' (تفسیر: ۲ یعنی انسان جو کچھ چھپاتا ہے اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان کے وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے''۔ ۳ **وَرِید شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے**]

تفسیر القرطبی: **''هو حبل العاتق وه هو ممتد من ناحية حلقه اِلى عاتقه ،و هما وريدان عن يمين و شمال۔''**

M. Pickthall: We verily created a man and We know what his soul whispereth to him, and **We are nearer to him than his jugular vein**. When the two Receivers receive (him), seated on the right hand and on the left, He uttereth no word but there is with him an observer ready.

Yusuf Ali: It was We who created man and We know what dark suggestions his soul makes to him: for **We are nearer to him than (his) jugular vein**. Behold two (guardian angels) appointed to learn (his doings) learn (and note them) one sitting on the righ t and one on the left. Not a word does he utter but there is a sentinel by him ready (to note it). {The **jugular vein is the big trunk vein, one on each side of the neck, which brings the blood back from the head to the heart. The two jugular veins correspond to the two carotid arteries which carry the blood from the heart to the head. As the blood-stream is the vehicle of life and consciousness, th e phrase "nearer than the jugular vein" implies that Allah knows more truly the inner most state of our feeling and consciousness than does our own ego** .}

F. Malik: We created man, We know the prompting of his soul, and **We are closer to him than his jugular vein**. Besides this direct knowledge ,We have assigned to every one t wo scribes (guardian angels), the one seated on his right and the other on his left, not a single word does he utter but there is a vigilant guardian ready to note it down.

[Reference Computer CD "Alim" ISI Software Corp. U.S.A]

آیات مبارکہ کے معنی اور مفہوم اور اس میں بتائی گئی معلومات کی نفاستوں اور باریکیوں کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنی جانب سے رائے اور خیال سے آیات مبارکہ کے الفاظ کو معنی ہم نہ دیں بلکہ ان کے وہی معنی لیں جو ان الفاظ کے عربی مبین میں درحقیقت ہیں کیونکہ کتاب کی بات وہ ہے جو اس کے الفاظ اور جملے کہتے ہیں۔ کتاب کے الفاظ اور جملوں کے معنی اور مفہوم اگر کسی دوسری زبان میں ہم بیان کردہ بات کے متعلق اپنے علم، رائے، تخیل، گمان (perception) کی بنیاد پر کریں گے تو وہ بات ہماری اپنی ہوگی اسے اُس کتاب کی بات نہیں مانا جاسکتا۔

''تُوَسْوِسُ''۔ اس کا مادہ ''و س و س'' ہے اور معنی ہلکی سی آہٹ، دبے پاؤں چلنے سے پیدا ہونے والی خفیف سی آہٹ ہیں۔ غیر واضح کلام کو بھی کہتے ہیں جس میں مختلف آوازیں مل گئی ہوں۔ ایسی گفتگو کو کہتے ہیں جو بغیر نظم و ترتیب کے ہو۔ جناب راغب نے اَلْوَسْوَاسِ کے معنی برے خیال کا دل میں گزرنا لکھے ہیں۔ دل میں خیال گزرنے کو کہتے ہیں۔ ''وسوسے'' کا تعلق سینے (صُدُور) سے ہے اَلَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿٥﴾ ''جو لوگوں کے سینوں میں خیال پیدا کرتا ہے'' (سورۃ الناس ۔۵)۔ لوگوں کے سینوں میں کسی تخیل کو جگہ دینے کیلئے کوئی بات، قول انہیں سنایا جاتا ہے یا کسی اشارے کے ذریعے پیدا کیا جاتا ہے۔

''حَبْلِ''۔ اس کا مادہ ''ح ب ل'' ہے اور معنی باندھنے کی چیز۔ رسی (Cord) ہیں۔ جناب راغب نے کہا کہ ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز تک پہنچا جائے حبل کہلاتی ہے۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت ٦٦ میں جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں کیلئے استعمال ہوا ہے ''حِبَالُهُمْ'' ان کی رسیاں جو دیکھنے والوں کے تخیل میں ایک رینگتا ہوا سانپ دکھائی دیا۔ یہ بھی سینوں میں وسوسہ پیدا کرنے کا انداز ہے جو خوف اور اضطراب کو جنم دیتا ہے۔

ماہرین لسان اس بات سے اتفاق کریں گے کہ مائع شئے کو باندھا نہیں جاتا۔ خون مائع ہے اس لئے جن نالیوں (vessels) کے ذریعے ذخیرہ کئے ہوئے مقام دل سے لے جایا جاتا ہے اور واپس وہاں لایا جاتا ہے ان کیلئے لفظ ''حَبْل'' استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ خون کی نالیوں کو ''حَبْل''، یعنی رسی کسی صورت تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ''حَبْل'' دھاگے کو بھی نہیں کہہ سکتے۔ رسی بٹی (fold) ہوئی ہوتی ہے۔ ابولہب کی بیوی کے متعلق بتایا ہے فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ﴿٥﴾ ''اس کی گردن میں کھجور کے ریشوں سے بٹی (twisted rope) رسی ہے'' (المسد۔۵)۔ رسی کے ذریعے کسی پست یا بلند مقام پر پہنچا (بلغ، وارد ہوا) جا سکتا ہے اور اسی سے اس کا مفہوم ''سہارے''، ''پہنچنے، پہنچانے کا ذریعہ'' بنتا ہے۔

''الورید''۔ اس کا مادہ ''و ر د'' ہے اور ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز تک پہنچ جانے کے ہیں۔ یہ گھاٹ اور جانوروں کے پانی کے گھاٹ پر پہنچ جانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ وارد ہونا کے معنی اس تک پہنچ جانا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام مصر سے فرار ہوئے تھے تو ''وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ'' ''اور جب وہ مدین کے پانی کے پیاؤ پر پہنچے'' (حوالہ القصص۔۲۳)۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں خشک کنویں میں اتارنے کے بعد گھر چلے گئے تو بعد میں وہاں سے ایک قافلہ گزرا جنہوں نے ''فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ'' ''اور انہوں نے بھیجا اپنے وَارِدَ کو'' (حوالہ یوسف ۱۹)۔ وَارِدَ اسم فاعل منصوب مضاف ہے۔ اس شخص کو کنویں پر بھیجا گیا تھا اور اس نے کنویں میں ''اپنا ڈول'' ڈالا تھا۔ وَارِدَ کے معنی قافلے کو پانی پہنچانے والے کے ہیں۔ دوسرا صور پھونکے جانے کے بعد یوم قیامت کو فرعون اپنی قوم کی ''رہنمائی'' کرتے ہوئے ان کے آگے آگے چلے گا ''فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ'' ''پھر اس نے انہیں آگ کے کنارے پہنچا دیا'' (حوالہ ھود۔۹۸)۔ ''أَوْرَدَ'' ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور معنی ''اس نے پہنچا دیا''۔

أَقْرَب ''وَ نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ'' میں ''أَقْرَبُ'' افعل التفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی ''زیادہ قریب''۔ یہ تقابل، موازنہ کرتا ہے۔ یہ دو کی نسبت بیان کرتا ہے۔

''اِذْ'' وَ نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ''۔ ''اِذْ'' کے معنی ''جب، جس وقت، اُس وقت'' ہیں۔

''يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ'' دونوں کا مادہ ''ل ق ی'' ہے۔ ایک دوسرے کا سامنے ہونا لقاء ہے۔ کسی بات کا حس اور بصر یا بصیرت سے ادراک کر لینا (راغب)۔ اِلقاء کے معنی کسی چیز کو اس طرح ڈال دینا کہ وہ دوسرے کے سامنے آ جائے۔ جوہری کے نزدیک مطلق کسی چیز کو پھینک دینے کو بھی کہتے ہیں۔ تَـلَـقِّـی مصدر (باب تفعل) معنی ملاقات کرنا، سامنے سے لے لینا، پالینا ہیں۔ ''مُتَلَقِّيَانِ'' اسم فاعل تثنیہ مذکر ہے ''دو لینے والے، پالینے والے''۔ ''عَنِ الْيَمِينِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ'' ''ایک دائیں جانب سے اور ایک بائیں جانب سے، قَعِيدٌ (صیغہ واحد کا ہے) بیٹھا ہوا''۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا یہ ہے کہ ''وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ'' ''اور ہم جانتے ہیں جو خیال انسان کے نفس میں آتا ہے۔ اور اس خیال کو انسان یا تو اپنے سینے ہی میں چھپا کر رکھتا ہے یا پھر اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ اور خیال کا اظہار بذریعہ قول ہوتا ہے۔

وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعۡلِنُونَ ﴿١٩﴾

''اوراللہ جانتاہے جوتم چھپاتے ہواور جوتم کھل کر کہتے ہو''۔ (النحل۔١٩)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُونَ ﴿٧٤﴾

''اورآپ(ﷺ) کارب یقیناً جانتاہے جوان کے سینے چھپالیتے ہیں اور جووہ کھل کر، برملا کہتے ہیں''(النمل۔٧٤)

وَرَبُّكَ يَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُونَ ﴿٦٩﴾

''اورآپ(ﷺ) کارب جانتاہے جوان کے سینے چھپالیتے ہیں اور جووہ ظاہر، برملا کہتے ہیں''(القصص۔٦٩)۔

فَلَا يَحۡزُنكَ قَوۡلُهُمۡۘ إِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعۡلِنُونَ ﴿٧٦﴾

''اس لئے آپ(ﷺ) کوان کاقول غمگین نہ کرے ہم جانتے ہیں جووہ چھپاکر اور جوکھلم کھلا، اعلانیہ کہتے ہیں''(یٰس۔٧٦)۔

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ فَإِذَآ أُوذِيَ فِي ٱللَّهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ ٱلنَّاسِ كَعَذَابِ
ٱللَّهِ وَلَئِن جَآءَ نَصۡرٞ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمۡۚ أَوَلَيۡسَ ٱللَّهُ بِأَعۡلَمَ بِمَا
فِي صُدُورِ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿١٠﴾

''اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ''ہم اللہ پرایمان لے آئے ہیں''۔ پھرجب انہیں اللہ کی خاطر دکھ دیاجاتاہے تولوگوں کے فتنے کواللہ
کی سزا کی طرح لے لیتے ہیں۔اوراگر تیرے رب کی مدد پہنچ گئی توضرور کہہ دیں گے''ہم توتمہارے ساتھ تھے''۔
مگرکیااللہ کوخوب معلوم نہیں جوجہان والوں کے سینوں میں ہے؟''(العنکبوت۔١٠)۔

وَأَنَا۠ أَعۡلَمُ بِمَآ أَخۡفَيۡتُمۡ وَمَآ أَعۡلَنتُمۡۚ

''اورمیں جانتاہوں جوتم نے چھپایااور جوتم نے کھلم کھلا، برملاکہا(کیا)''(حوالہ الممتحنۃ۔١)

وَٱللَّهُ عَلِيمُۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ(حوالہ آلِ عمران۔١٥٤، التغابن۔٤) إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمُۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ(حوالہ آلِ
عمران١١٩، المائدہ٧، لقمان٢٣) إِنَّهُۥ عَلِيمُۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ(حوالہ الانفال٤٣، ہود٥، فاطر، ٣٨، الزمر٧، الشوریٰ۔٢٤، الملک١٣)

وَهُوَ عَلِيمُۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ

''اللہ تعالیٰ یقیناً سینوں کے بھید بھی جانتاہے''(حوالہ الحدید۔٦)

أَلَا يَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلۡخَبِيرُ ﴿١٤﴾

''کیاوہ نہ جانے گاجس نے تخلیق کیا؟اوروہ باریک بین اور باخبر ہے''۔

قول کیا ہے؟ اس کے معنی اور مفہوم اور بنیادی لوازمات کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِۦ نَفْسُهُۥ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ ﴿١٦﴾

''اور ہم نے انسان کو تخلیق کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو خیال اس کے نفس میں ہے۔ اور ہم اس وسوسے کے زیادہ قریب ہوتے ہیں بہ نسبت حبل الورید (''پہنچانے والی رسی'') کے اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ اس وقت جب لیتے ہیں دو لینے والے عَنِ الْيَمِينِ وَ عَنِ الشِّمَالِ ایک دائیں جانب سے اور ایک بائیں جانب سے، قَعِيدٌ (صیغہ واحد کا ہے) بیٹھا ہوا''۔ اور اس کے فوراً بعد کیا ہے؟ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ''انسان قول میں سے کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا کہ (اسے لکھنے کیلئے) ایک تیار بیٹھا محافظ اسے لے''۔

وسوسے، خیال سے ''قول'' تک پہنچنے کے مراحل ہیں اگرچہ ان مراحل کا ہمیں احساس تک نہیں ہوتا اور گمان کرتے ہیں جیسے سب کچھ بیک وقت (simultaneously) ہو جاتا ہے۔ لیکن ان آیات مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ ایسا ہے نہیں۔ نفس کے خیال کا قول تک پہنچنے کا ایک سفر ہے۔ '' تُوَسْوِسُ '' سے ''يَلْفِظُ مَنْ قَوْلٍ '' کی منزل پر پہنچنے کو ''تُعْلِنُونَ'' کہتے ہیں کہ انسان اپنے سینے کے خیال کو الفاظ کا روپ دے کر کھلم کھلا لوگوں کے سامنے ڈال/پھینک دیتا ہے۔

''يَلْفِظُ'' (واحد مذکر غائب مضارع) کا مادہ ''ل ف ظ'' ہے اور ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ڈال دینے اور پھینک دینے کے ہوتے ہیں۔ منہ سے نکلی ہوئی آواز، لفظ۔

خَلَقَ ٱلْإِنسَـٰنَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ ٱلْبَيَانَ ﴿٤﴾

''اس نے انسان کو تخلیق کیا۔ (پھر) اسے علمِ بیان دیا'' (الرحمٰن۔۳۔۴)۔

یہ علم بیان کس بات کا مرہون منت ہے؟

وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَـٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَٰنِكُمْ ۚ

''اور اس کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کا بنانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا ہے'' (حوالہ الروم۔۲۲)

قول کسی زبان کے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک انسان ''يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ '' اپنے قول میں سے کچھ ''ڈالتا ہے''یعنی کسی بھی زبان کا کوئی لفظ ادا/بیان کرتا ہے تو اس کو ایک ''عتید رقیب '' لیتا ہے۔ ''عتید'' کے معنی تیار، موجود، حاضر، قریب (تاج)۔ ابن فارس کے مطابق بھی اس کے بنیادی معنی قرب اور موجودگی ہیں۔ ''رقیب'' کا مادہ 'ر ق ب' ہے اور اس کے معنی حفاظت ونگہداشت کرنا ہیں۔

إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾

''کوئی جان ایسی نہیں جس پر ایک نگہبان مقرر نہ ہو'' (الطارق۔۴)

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

''یا کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی خفیہ بات اور ان کی سرگوشی کو نہیں سنتے؟ کیوں نہیں! ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے انہیں لے کر لکھتے جاتے ہیں'' (الزخرف۔۸۰)

قول کی منہ کی زبان (tongue) سے بذریعہ زبان (language) کے الفاظ کی ادائیگی کے بعد اسے سنا جاتا ہے چاہے وہ خفیہ محفل میں کہا گیا ہو یا سرگوشی کے انداز میں کسی ایک انسان کے کان میں چپکے سے کہا جائے۔ کسی انسان کے قول میں سے لفظ ادا کرنے پر واحد ''رقیـــب''، یعنی واحد نگہبان محافظ اسے لکھنے کیلئے لیتا ہے لیکن ''وسوسے'' کو جب ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب بیٹھا دو (الْمُتَلَقِّيَانِ) لیتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس خیال کے زیادہ قریب ہوتا ہے بہ نسبت ''حبل الورید'' کے۔ اس طرح واضح ہے کہ ایک تیار بیٹھے محافظ سے قبل یعنی ''يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ'' سے قبل دو لینے والے اس انسان کے خیال کو اس کا قول بننے سے قبل ہی لے چکے ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد جب قول میں سے کوئی لفظ منہ سے نکالتا ہے تو اس انسان کا ایک محافظ (رسول، فرشتہ) اسے لے کر لکھ لیتا ہے۔

ایک انسان کے دل میں پیدا ہونے والے ''وسوسے'' (خیال) کو دوسرے انسان تک پہنچانے کیلئے اپنے گلے میں موجود ''حَبْـلِ۔ رسی'' (Vocal Cord) کا محتاج ہونا پڑتا ہے کہ سینے میں سے آنے والی ہوا کے ذریعے اس میں ارتعاش (vibration) صوت (sound, voice) کو پیدا کرے گا۔ ''مُتَلَقِّيَانِ'' اسم فاعل تثنیہ مذکر ہے۔ تَلَقّی کے معنی ملاقات کرنا، سامنے سے لے لینا، پالینا ہیں۔ ''دائیں اور بائیں'' والے انسان کے دل میں پیدا ہوئے خیال کو اس وقت پالیتے ہیں جب ''حبل'' میں (vibration) ارتعاش کے ذریعے صوت پیدا ہوتی ہے لیکن اللہ رب العزت ان دائیں اور بائیں والوں سے بھی زیادہ انسان کے نفس کے قریب ہوتا ہے کیونکہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے جو اس ''حبل'' (vocal cord) تک پہنچے سے قبل کی حالت ہے۔ اور جب تک خیال دل میں ہے اور ''حبـل'' تک نہیں لایا گیا تو ان دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ملائکہ تک پہنچ نہیں سکتا اس لئے اسے وہ دونوں لے نہیں سکتے، جان نہیں سکتے۔ اور اِن دو کے علاوہ دوسرے ملائکہ اور جن و انس اُسے اس وقت تک جان نہیں سکتے جب تک انسان اپنے منہ میں سے کسی لفظ کو ''یلفظ باہر پھینکتا'' نہیں۔

اور قول مکمل بات ہے اور الفاظ پر مشتمل ہے جن کو ترتیب دینے کیلئے بنیادی اور اہم ذریعہ زبان اور ہونٹ ہیں:

وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾

''اور کیا ہم نے اس کیلئے زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے'' (البلد۔۹)

انسان اپنے خیال کو دوسرے تک پہنچانے کیلئے ''حبل''میں ارتعاش (vibration) کے ذریعے آواز **(sound)** پیدا کرتا ہے اور پھر زبان اور ہونٹوں کے ذریعے اس پیدا ہو چکی آواز کو سننے والے کی زبان کے مطابق الفاظ کا روپ دیتا ہے۔

(Tongue and L ips are used to form words by controlling airflow through the mouth.)

ایک انسان کا تصور اور خیال دوسروں (سوائے اللہ تعالیٰ، یعنی ملائکہ، جن وانس) کیلئے غیر مرئی ہے اور یہ حقیقت کا روپ تو اسی وقت لے لیتا ہے جب ''حبل الورید ''میں ارتعاش آواز کی لہروں کو وجود دیتا ہے۔ انسان کا خیال جب صوت میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ صرف ان دو کے علم بھی آ جاتا ہے اور وہ اسے لے لیتے ہیں جو اس انسان کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان صوتی لہروں میں معنی اور مفہوم کا حامل اس شخص کا تصور، خیال، وسوسہ پنہاں ہوتا ہے جنہیں وہ سننے والے کی زبان کے مطابق زبان اور ہونٹوں سے الفاظ کا روپ دیتا ہے تا کہ اس کیلئے واضح اور متعین ہو جس سے وہ اس کے قلب و ذہن میں منتقل ہو سکے

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (حوالہ سورۃ ابراہیمؑ۔۴)

''اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں ہی پیغام دے کر بھیجا تا کہ ان لوگوں کیلئے (بات، حدیث، قول، حکم) متعین اور واضح ہو''

مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ

'آپ (ﷺ) سے وہی قول کہا جا رہا ہے جو بات آپ سے قبل رسولوں سے (ان کی قوموں کی زبان میں) کہی گئی تھی' (حوالہ فصلت ۴۳)

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ (الدخان۔۵۸)

''ہاں! ہم نے اس (قرآن مجید) کو آپ (ﷺ) کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ وہ لوگ محفوظ رکھ سکیں (نصیحت لیں)''

اور اس حقیقت کو من وعن ایک جیسے الفاظ میں پھر چار مرتبہ سورۃ القمر کی آیت۔۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰ میں دہرایا گیا ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ o

''اور یقیناً ہم نے قرآن (مجید) کو یاد رکھنے (محفوظ، سمجھنے اور نصیحت) کے لئے آسان کر دیا ہے، اب ہے کوئی نصیحت لینے والا!''

میرے آقا کی زبان میں نازل فرمائے قرآنِ مجید کو عرب وعجم سب کے یاد رکھنے اور سمجھنے کیلئے آسان اور سہل بنایا گیا ہے۔ الحمد للہ

''يَسِّرۡ'' کا مادہ ''ی س ر'' ہے اور اس کے معنی نرمی، سہولت، آسانی، فراخی، کشائش آسودگی ہیں۔ ابن فارس نے اس کے معنی کھل جانا اور ہلکا پھلکا ہونا بتائے ہیں۔ قرآنِ مجید سمجھنے کیلئے یقیناً آسان ہے۔ ''ذکر'' کے معنی کسی چیز کو محفوظ کر لینا ہیں، کسی بات کو یاد رکھنا ہیں۔ تحقیق کیلئے ایک نکتہ یہ ہے کہ نازل کردہ ہر قول، آیت میں وہ ''ارتعاش، vibration'' کیا پہلے سے پنہاں ہے جو کسی بھی انسان کی vocal cord، ''حبل الورید'' میں یاداشت میں سے براستہ سینہ (صدور) نکالے جانے پر وہ پیدا کرے گا؟

قرآنِ مجید نے جن پنہاں حقیقتوں کو انتہائی نفیس انداز میں زیرِ مطالعہ آیات مبارکہ میں عیاں فرمایا ہے اس کی نفاستوں اور باریکیوں کو کھول کر بیان کرنے پر مجھے عبور نہیں۔ یہ ان ماہرین اور ڈاکٹروں کے زیبا ہے جنہیں آواز (sound, voice)، ارتعاش (vibration) اور بولنے (speech) کے متعلق تحقیقی علم حاصل ہے۔ ایک بات طے ہے کہ تصور اور لفظ لازم وملزوم ہیں کہ وہ ایک دوسرے کیلئے مانند ''زوج'' ہیں جیسے کائنات کی ہر شئے زوج میں تخلیق کی گئی ہے۔ اور یہ بات بھی حتمی ہے کہ تصور کو منتقل کرنے کیلئے لفظ میں ڈھالنا پڑتا ہے (تصور کو تصویری اور اشاراتی شکل میں بھی دوسرے کو منتقل کیا جا سکتا ہے)۔ تصور، خیال اس وقت لفظ کا روپ اختیار کرتا ہے جب وہ '' گھاٹ پر پہنچانے والی، آواز کی رسی'' (vocal cord) میں ارتعاش پیدا کر چکا ہوتا ہے۔ یہ ارتعاش انسان کے دانستہ ارادے کی بدولت پیدا نہیں ہوتا اور اس ارتعاش کی کیفیت اور نوعیت کو وہ بدل نہیں سکتا لیکن اس ارتعاش سے پیدا ہونے والی صوت کو اپنے ارادہ اور کاوش سے زبان اور ہونٹوں کے ذریعے لفظ کا روپ دیتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ہر تصور میں وہ قوت (energy) پنہاں ہے جس سے ارتعاش، صوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تصور، خیال میں مخصوص صوت پنہاں ہوتی ہے۔ اس لئے صوت کے ذریعے اس تصور تک پہنچنے کی صلاحیت حاصل کی جا سکتی ہے جس نے اس صوت کو وجود دیا تھا۔ ''دائیں اور بائیں بیٹھے'' حبل الورید کے ارتعاش سے پیدا ہونے والی اسی صوت سے اس انسان کے سینے سے باہر آنے والے خیال کو لیتے ہیں۔ لیکن انسان کو اس پر عبور ہے کہ زبان اور ہونٹوں کو موڑ، پھیر (twist) کر منہ میں پہنچنے والے اس خیال کی صوت کو لفظ کے روپ میں اس طرح ڈھالے کہ سننے والے کو اس خیال کے خلاف تاثر ملے۔ اس سے قبل کہ اس بات کو آپ میرا تخیل گمان کریں قرآنِ مجید کے فرمان کو سنتے ہیں

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا

''اے ایمان والو! تم 'راعنا' مت کہا کرو'' (حوالہ البقرۃ-۱۰۴)

اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ آقائے نامدار ﷺ سے کلام اللہ سنتے وقت یہودیوں میں سے بعض لوگ اپنی زبانوں کو مروڑ کر اس لفظ کو ادا کرتے تھے جس کی وجہ سے سننے والوں کو اصل تصور نہیں پہنچتا تھا۔ ہر تصور اپنی صوت خود پیدا کرتا ہے اور اس صوت کے تصور کو بگاڑنے کیلئے انسان کو اِس کو لفظ کا روپ دیتے ہوئے دانستہ اپنی زبان کو مروڑنا تروڑنا پڑتا ہے۔ جس کتاب میں تمام امور کا فیصلہ کر دیا گیا ہو اس

کی زبان کے الفاظ کے معنی اور مفہوم متعین اور بین ہونے اور ان میں ٹیڑھا پن نہ ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اگر شرارت اور خباثت سے بھی اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کر کے کوئی ایسا لفظ اس انداز سے بھی ادا کرسکتا ہے کہ کہنے والے کے تصور کے بالکل الٹ تصور سننے والے کے ذہن میں ابھرے تو اللہ نے اس حرکت کو اس قدر ناپسندیدہ جانا کہ ایمان والوں کو بھی عربی زبان کے اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ منافقین کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَأَرَيْنَـٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَـٰهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِى لَحْنِ ٱلْقَوْلِ ۚ

''لیکن اگر ہم چاہیں تو آپ (ﷺ) کو وہ لوگ دکھا دیں پھر آپ ضرور انہیں ان کے حلیوں سے پہچان لیں گے۔
اور آپ ضرور انہیں ان کے قول کے انداز سے پہچان لیں گے'' (حوالہ سورۃ محمد ﷺ۔ ۳۰)

''لَحْنِ'' کے معنی صحیح جہت اور راہ اعتدال سے کسی ایک طرف کو مڑ جانا ہیں (تاج، راغب، محیط)۔

انسان اپنے سینے کے وسوسے، خیال، تصور، بات کو سینے سے نکال کر جب زبان تک لانا چاہتا ہے تو خودکار نظام کے ذریعے ہوا کا دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ جس کیلئے انتہائی مربوط انداز میں سینے اور پیٹ کے پٹھے (muscles)، پسلیاں، سینے اور پیٹ کو الگ کرنے والی جھلی (diaphragm) حصہ لیتے ہیں۔ اور ہوا کا یہ دباؤ ''حبل الورید''، vocal cord، میں ارتعاش (vibration) پیدا کرتا ہے۔ اور (vibratory system) ارتعاش کا نظام ہوا کے دباؤ کو ''آواز کی لہروں'' **(sound waves)** میں بدلتا ہے جو آواز **(voiced sound)** پیدا کرتی ہیں۔ اور اس کے بعد اس آواز کو انسان زبان اور ہونٹوں سے الفاظ کا روپ دے کر منہ سے نکال کر آواز کی ان لہروں کو ''یَلْفِظُ'' پھینک دیتا ہے جسے ''سننے اور یاد رکھنے والے'' کان اٹھا لیتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے رسول کے ذمہ صرف قول یعنی کتاب کو پہنچا دینا ہے، اسے اٹھانے کی ذمہ داری انسان کی اپنی ہے۔ ہٹ دھرمی اور تعصب آڑے نہ آئے تو یہ تسلیم کرنے سے کیسے انکار ہوسکتا ہے کہ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ قرآنِ مجید نے چودہ سو سال قبل جسے ''رسی'' کہا تھا اسے بیسویں صدی میں غیر مسلم ڈاکٹروں اور سائنسدانوں نے آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد 'Cord' یعنی ''رسی'، **rope,string**' ہی نام دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں خیال سے قول بننے کے بیان کردہ ان مراحل کو میڈیکل سائنس کی زبان میں پڑھتے اور دیکھتے ہیں:

The "spoken word" results from three components of voice product ion: voiced sound, resonance, and articulation.

Diagram of Voice subsystems

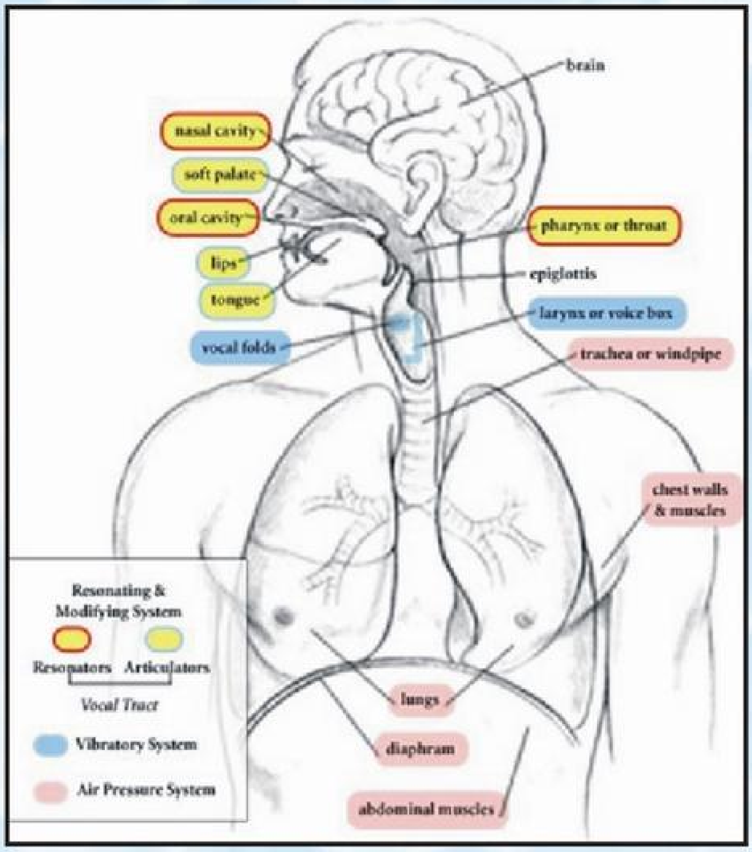

Voice as We Know It = Voiced Sound + Resonance + Articulation

Voiced sound: The basic sound produced by vocal **fold** vibration is called "voiced sound." **This is frequently described as a "buzzy" sound**. Voiced sound for singing differs significantly from voiced sound for speech .

Vocal Folds (also called Vocal Cords)

"**Fold-like**" soft tissue that is the main vibratory component of the voice box; comprised of a cover (epithelium and superficial lamina propria) , **vocal ligament** (intermediate and deep laminae propria), and body (thyroaryteno id muscle)

Diagram of Vocal Cords

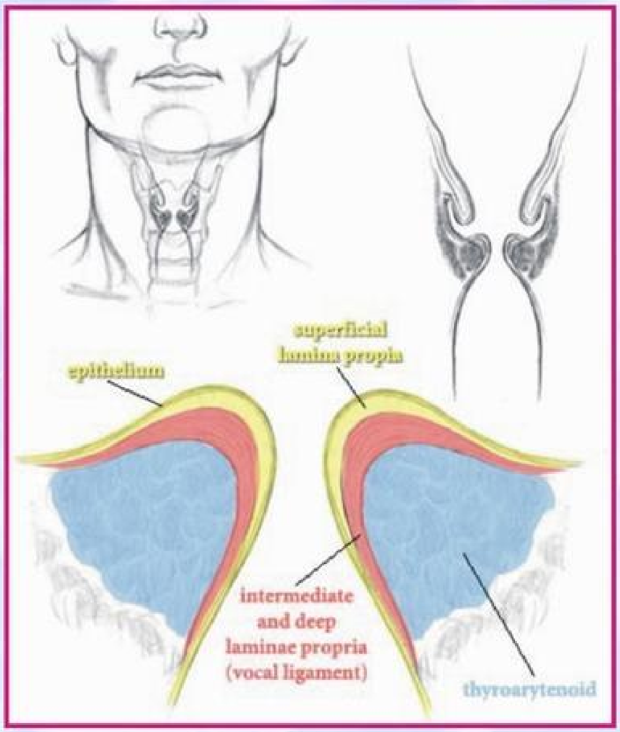

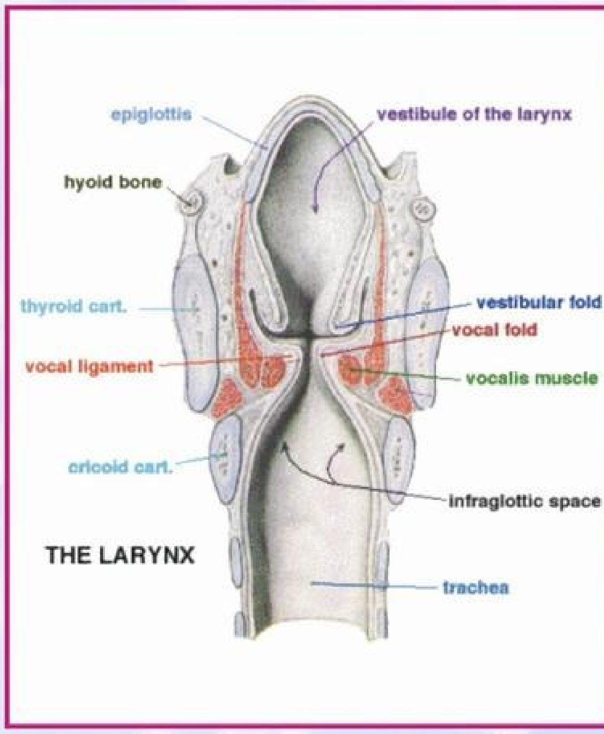

The vocal cords lie in the center of this framework of Larynx in an anterior-posterior orientation. **When viewed from above the right and left folds appear as a "V"-shaped structure with the aperture between the "V" forming the entrance to the trachea. At the rear of the larynx on each side, each vocal fold is attached to a small arytenoid cart ilage.** Many small muscles also attach to the arytenoids. These muscles contract or relax during the various stages of breathing, swallowing, and speaking, and their action is vital to the normal function of the larynx.

"Wiper-Like" Movement of Vocal Folds

The vocal folds move similar to a car's windshield wipers that are attached to the middle of the windshield and open outwards. The front ends of both vocal folds are anchored to the front-middle (anterior commissure). The back ends of both vocal folds are anchored to the arytenoid cartilages. When arytenoids are moved to the open position by the posterior cricoarytenoid muscle, vocal folds open, resulting in glottal op ening. When arytenoids are closed by the lateral cricoarytenoid and inter arytenoid muscles, vocal folds are brought to the midline resulting in glottal closure.

Resonance: Voiced sound is amplified and modified by the vocal tract resonators (the throat, mouth cavity, and nasal passages). The resonators produce a person's recognizable voice .

Articulation: The vocal tract articulators (the tongue, soft palate, and lips) modify the voiced sound. The articulators produce recognizable words.

Voice Depends on Vocal Fold Vibration and Resonance

Sound is produced when aerodynamic phenomena cause vocal folds to vibrate rapidly in a sequence of vibratory cycles with a speed of about:

110 cycles per second or Hz (men) = lower pitch

180 to 220 cycles per second (women) = medium pitch

300 cycles per second (children) = higher pitch

higher voice: increase in frequency of vocal fold vibration

louder voice: increase in amplitude of vocal fold vibration

Vibratory Cycle = Open + Close Phase

The vocal fold vibratory cycle has phases that include an orderly sequence of opening and closing the top and bottom of the vocal folds, letting short puffs of air through at high speed. Air pressure is converted into sound waves.

The Process of Voice

Voice production involves a three-step process.

A column of air pressure is moved towards the vocal folds: **Air is moved out of the lungs and towards the vocal folds by coordinated action of the diaphragm, abdominal muscles, chest muscles, and rib cage**

Vocal fold vibration – sequence of vibratory cycles:

Vocal folds are moved to midline by voice box muscles, nerves, and cartilages

The vibratory cycle occurs repeatedly; one vibratory cycle is as follows:

Column of air pressure opens bottom of vocal folds

Column of air continues to move upwards, now towards the top of vocal folds, and opens the top

The low pressure created behind the fast-moving air column produces a "Bernoulli effect" which causes the bottom to close, followed by the top

Closure of the vocal folds cuts off the air column and releases a pulse of air New cycle repeats

The rapid pulses of air created by repeat vibratory cycles produce "voiced sound" which is really just a buzzy sound, which is then amplified and modified by the vocal tract resonators, producing voice "as we know it."

ہم نے انسان کے سینے کے خیال کو قول میں ڈھلتے ہوئے دیکھا۔اور آئیں ایک مرتبہ پھر آقائے نامدار ﷺ کی مبارک زبان اور ہونٹوں سے بتائے قول کو عربی مبین کے الفاظ کو ان کے اپنے معنی کے ساتھ پڑھنے کا شرف حاصل کریں تا کہ ہم گواہی دینے والوں میں ہوں کہ قرآنِ مجید بیان حقیقت ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِۦ نَفْسُهُۥ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ ﴿١٦﴾

''اور ہم نے انسان کو تخلیق کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کے نفس میں اٹھتا ہے۔ اور ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں بہ نسبت حبل الورید ''پہنچانے والی رسی'' کے إِذْ يَتَلَقَّى ٱلْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ ٱلْيَمِينِ وَعَنِ ٱلشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ جب اس سے لیتے ہیں ("voiced sound") دو لینے والے دائیں جانب سے اور بائیں جانب سے، بیٹھا ہوا۔

مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ انسان قول میں سے کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا کہ (اسے لکھنے کیلئے) ایک تیار بیٹھا محافظ اسے لے'' (قٓ۔١٦۔١٨)۔

انسان کیلئے بات کرنا اور کسی کو جواب دینا صرف اس صورت میں ممکن ہے اگر خیال رتصور کو ذہن ردماغ رعقل سے نکال کر دل میں لایا جا سکے۔ اور اس کے بعد انسان اس خیال کو سینے سے نکال کر ''حبل الورید'' کے ذریعے پیدا ہونے والی صوت کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر زبان سے بیان کرتا ہے۔ خیال کی عقل سے دل کو منتقلی خیال کے ماحول کی تبدیلی ہے۔ کیا یہ تغیر رتبدیلی انسان کا فعل ہے؟ نہیں! انسان کو تو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ اس کے جسم کے کون کون سے خلیے (cells) اس کام پر معمور ہیں جو اس کی عقل و یاداشت میں سے کسی بھی خیال کو قطع (retrieve) کر کے دل میں پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ فعل انسان نہیں اللہ تعالیٰ کرتا ہے:

وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ

''اور مطلع ہو جاؤ! یقیناً اللہ انسان کی عقل اور اس کے دل کے درمیان تبدیلی کرتا، حائل ہوتا، آڑ بن جاتا ہے'' (حوالہ الانفال۔٢٤)

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس اطلاع کا عموماً یہ ترجمہ کیا جاتا ہے ''اور جان لو اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، حائل ہو جاتا ہے'' "and know that Allah cometh in between a man and his heart"(Yusa f Ali)

اگر اس ترجمے کو سرسری انداز میں نہ پڑھیں تو دکھائی دے گا کہ اس میں وزن اور مفہوم کا فقدان ہے۔'انسان اور اس کے دل کے درمیان' حائل ہونے یا آڑ بننے کا مفہوم یہ ہے جیسے انسان اور اسی انسان کا دل ایک دوسرے سے الگ مقام پر الگ الگ شئے ہیں۔عربی زبان کا لفظ ''بَیْــــنَ'' کے معنی جدائی، الگ الگ ہونا، دو چیزوں کے درمیان فاصلے یا حد کو کہتے ہیں۔یہ دو، ایک دوسرے سے الگ، چیزوں کے ''درمیان'' کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

'یَحُوْلُ'' کا مادہ 'ح و ل' ہے۔اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا تغیر پذیر ہونا، ایک حالت سے دوسری میں جانا اور دوسری چیزوں سے الگ ہوجانا ہیں۔اردگرد، ماحول۔''حَالَ'' دو چیزوں کے درمیان (بَیْنَ) حائل ہوجانا، آڑ بن جانا۔

''اَلْـمَـرْءِ'' کے معنی مرد ہیں جس کی جمع نہیں آتی۔ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَزَوْجِهِۦ ''مرد اور اس کی بیوی کے درمیان'' (حوالہ البقرۃ۔۱۰۲)۔اس کا مادہ 'م رر' ہے۔''اَلْـمَـــرُّ'' رسی کو کہتے ہیں اور اس سے اس کے معنی قوت اور استحکام کے آتے ہیں۔اس سے اس کے معنی خلقی قوت و شدت اور عقل واصالت کے آتے ہیں (تاج)۔

آیت مبارکہ میں اگر ''اَلْمَرْءِ'' کے معنی 'ایک مرد' ہی لیں تو ترجمہ یہ بنتا ہے ''اور مطلع ہوجاؤ! یقیناً اللہ مرد اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے''۔ لیکن اگر تاج العروس کی بات مان لی جائے تو ترجمہ یہ ہوگا ''اور مطلع ہوجاؤ! یقیناً اللہ انسان کی عقل اور اس کے دل کے درمیان تبدیلی کرتا، حائل ہوتا، آڑ بن جاتا ہے''۔ ''حقیقت کیا ہے'' کی جلد اول میں ایک مضمون ''أَرْذَلِ الْعُمُرِ'' کے متعلق شامل ہے جس میں انسان اپنے دماغ/ یادداشت میں سے علم کو نکال لینے کی صلاحیت سے بتدریج محروم ہوتا جاتا ہے اور بیان اور عمل کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔اس کا سبب سوائے اس بات کے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا کہ ایسے انسان کے دماغ/عقل اور دل کے درمیان کوئی حائل ہوگیا ہے، رکاوٹ، آڑ بن گیا ہے۔انسان کی عقل سے بات دل تک نہ پہنچ سکے تو انسان زبان رکھتے ہوئے بھی اسے بیان نہیں کرسکے گا جیسے گونگا ہو اور عقل/دماغ سے علم کی دل تک منتقلی انسان کے اپنے ارادے، حکم اور اِذن کے تابع نہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ ہماری عقل سے بات کی دل کو منتقلی، تبدیلی وہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کے جسم کے تمام خلیوں (Cells) کو 'ہدایت' دی ہے کیونکہ وہی ان کا خالق ہے۔سبحان اللہ۔الحمد للہ۔مجھے اعتراف ہے کہ میں صاحب علم نہیں۔لیکن قرآنِ مجید بات کو واضح کردے گا

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَوَلَّوْا۟ عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾
وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور ان کی جانب سے منہ نہ موڑو جب تم سن رہے ہو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو کہتے تو ہیں کہ ''ہم نے سن لیا ہے'' مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سنتے نہیں'' (الانفال۔۲۰۔۲۱)

إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلۡبُكۡمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡقِلُونَ ﴿٢٢﴾

''بیشک اللہ کے نزدیک برے جانور وہ (لوگ) ہیں جو دانستہ بہرے اور گونگے بن کر عقل استعمال نہیں کرتے''۔

وَلَوۡ عَلِمَ ٱللَّهُ فِيهِمۡ خَيۡرًا لَّأَسۡمَعَهُمۡۖ وَلَوۡ أَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّواْ وَّهُم مُّعۡرِضُونَ ﴿٢٣﴾

اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی (کی رمق) جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا لیکن وہ انہیں سنوا بھی دیتا تو وہ کنارہ کرتے ہوئے منہ موڑ جاتے

(کہ ان میں بھلائی کی رمق ہے ہی نہیں)''۔ (الانفال۔۲۱۔۲۳)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسۡتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيكُمۡۖ

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کو جواب دو جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں حیات دے گی

وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيۡنَ ٱلۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهِۦ

اور مطلع ہو جاؤ! یقیناً اللہ انسان کی عقل اور اس کے دل کے درمیان (تمہارے جواب کو) منتقل کرتا ہے'' (حوالہ الانفال۔۲۴)

سنی ہوئی بات کو اگر ذہن / عقل سے واپس نکالا جا سکے تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا جواب (Response) دیا جا سکے، اسے تسلیم کرنے کا زبان سے اقرار کیا جا سکے۔ اور اقرار عقل سے دل تک آئے گا تو تبھی زبان سے بیان ہو سکے گا ورنہ نہیں۔ اور اس جواب، اقرار کی عقل / دماغ سے دل تک منتقلی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کرتی ہے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ أَن
يَقُولُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَاۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿٥١﴾

''اہل ایمان کی روش یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ ان کے درمیان فیصلے کریں تو ان کا جواب / قول صرف یہ ہوتا ہے کہ ''ہم نے سن لیا ہے اور ہم نے مان لیا ہے''۔ یہی ہیں فلاح پانے والے لوگ''۔ (النور۔۵۱)

اہل ایمان کا ماننے کے متعلق یہ اقرار اس ہستی کی اجازت / اذن سے ہوا ہے جو عقل / ذہن سے بات کو دل تک منتقل کرتی ہے

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ أَن تُؤۡمِنَ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ

اور کسی شخص کیلئے ممکن نہیں کہ وہ مان لے (ایمان لائے) سوائے اللہ کی اجازت کے۔

وَيَجۡعَلُ ٱلرِّجۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَعۡقِلُونَ ٥

''اور جو لوگ عقل و فکر استعمال نہیں کرتے اللہ ان پر رجس ڈال دیتا ہے'' (یونس۔۱۰۰)

اگر انسان نے عقل استعمال ہی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ وہاں سے کون سی بات نکال کر دل تک لائے۔ ٱلرِّجۡسَ کا مادہ ''ر ج س'' ہے

اوراس کے بنیادی معنی اختلاط اور التباس ہیں۔ گندگی، غلاظت کو بھی رجس اس لئے کہتے ہیں کہ لتھڑ اور چپک جاتی ہے۔ پلیدی، شک، اضطراب، التباس، دل کی تنگی، تعصب، تنگ نگہی، ضد، ہٹ دھرمی، عقل وفکر سے کام نہ لینا رِجْسٌ کے معنی ہیں۔ حقیقی سننا کسے کہتے ہیں؟ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ ٱلَّذِينَ يَسْمَعُونَ ''بیشک جواب وہی لوگ دیتے ہیں جو سنتے ہیں'' (حوالہ الانعام۔۳۶)

اَسْتَجِيبُوا، يَسْتَجِيبُ کا مادہ ''ج و ب'' ہے اوراس کے اصلی معنی قطع کرنا، پھاڑنا، سوراخ کرنا ہیں۔ عربی زبان کے مادہ سے بننے والے مختلف الفاظ میں مادہ کے بنیادی معنی کا اثر اور مفہوم غالب رہتا ہے۔ انسان جب جواب دیتا ہے تو وہ بھی یاداشت کو پھاڑنے، سوراخ کرنے اوراس میں سے قطع کرنے ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دعوت حق پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں جو بات کوقلب وذہن کی توجہ کے ساتھ سنجیدگی اور متانت سے سنیں کہ بات حسِ سماعت سے اتر کر قلب وذہن تک رسائی کر کے علم بن کر محفوظ ہو سکے اوراس شخص کیلئے جواب دینے کی صلاحیت رارادہ پیدا کرنے کا موجب ہو سکے تا کہ اللہ تعالیٰ عقل سے دل تک اسے منتقل کردے اوروہ شخص زبان سے ماننے کا اقرار الفاظ میں بیان کردے۔ اورجن کی سننے کے دوران یہ حالت ہو کہ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ''ان کے دل کسی اور ہی خیال میں ہوتے ہیں'' تو سنائی جانے والی بات ان کی سماعتوں کے پردوں پر محض ارتعاش پیدا کرنے کے بعد مٹ جائے گی اور جب ان کی یاداشت میں کچھ محفوظ ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی عقل سے دل تک کیا منتقل کرے کہ جواب دے سکیں، زبان سے مان سکیں؟

اللہ تعالیٰ کے سورۃ قٓ کی آیات مبارکہ ۱۶۔۱۸ میں فرمان کے ضمن میں بھی ہم نے دیکھا کہ ان کا ترجمہ اور ''تفسیر'' بیان کرتے ہوئے قدیم ''تفسیروں'' (جیسے تفسیر ابن کثیر، تفسیر القرطبی، تفسیر الجلالین وغیرہ) میں جو کچھ لکھا گیا تھا اکیسویں صدی کے اوائل تک بیشمار ''تفسیروں'' میں ان ہی باتوں کو الفاظ کے معمولی تغیر وتبدل سے محض دہرایا گیا جسے بعض لوگ اس گمان سے ''صحیح ہونے کی دلیل'' قرار دے دیتے ہیں کہ سینکڑوں اہل علم کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر نے قدیم مفسر کی بات کو دہراتے ہوئے اس سے اتفاق کرنے کی وجہ بیان نہیں کی ہوتی جس سے ثابت ہو کہ انہوں نے خود بھی اس معاملے پر کوئی تحقیق کی تھی۔ قرآنِ مجید کے اپنے الفاظ کے علاوہ کسی بھی ''مفسر'' اور محقق کی گمان۔ تصور، تخیل، رائے (perception) (جس کیلئے عربی زبان کا جامع لفظ تلقاء نفس ہے) سے کہی ہوئی بات دلیل اور حجت کے درجے پر فائز نہیں سمجھی جاسکتی۔ قرآنِ مجید کی بات وہ ہے جو اس کے اپنے الفاظ بیان کرتے ہیں۔ اور سبحان اللہ! قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

سَنُرِيهِمْ ءَايَـٰتِنَا فِى ٱلْـَٔافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ

''ہم قرآنِ مجید کا انکار کرنے والوں کو آفاق میں اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں (علم، معلومات) دکھاتے رہیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر، واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآنِ مجید بیانِ حقیقت ہے'' (حوالہ فصلت۔۵۳)۔

بعض لوگوں کا یہ گمان لغو ہے کہ سائنس کے ذریعے جب انسان کو نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ اس کے متعلق اطلاع قرآنِ مجید میں پہلے سے موجود ہے اور اس کیلئے ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اس سے قبل اس آیت کے متعلق تفسیری حاشیوں میں جو کچھ لکھا گیا وہ اس "نئی اطلاع" سے بالکل مختلف ہے۔ اور ہم فوراً دفاعی حالت میں ہو جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی اسی آیت مبارکہ نے واضح کیا ہوا ہے کہ آفاق اور اپنے نفوس کے متعلق جو کچھ انسان کے علم اور دائرہ ادراک میں آئے گا وہ پہلے ہی اس کی آیات میں بیان کیا ہوا ہے جس کی بناء پر واضح ہو جائے گا کہ قرآنِ مجید بیان حقیقت ہے۔ **علم صرف ءَ ايَةٍ (جمع آیات) کا ہوتا ہے اور باقی سب کچھ محض تخیل ہے۔** ءَ ايَةٍ کسی ظاہری علامت، شئے، نشانی کو کہتے ہیں جس کا ایک متعین اسم ہوتا ہے۔ ءَ ايَةٍ بین اور غیر متبدل ہے۔ کائنات میں ہر ءَ ايَةٍ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور پنہاں جب تک عیاں نہ ہو، دکھائی نہ دے تو عقل اسے حیطہ ادراک میں نہیں لے سکتی۔ "سَنُـرِيهِمْ" (سَ + نُرِي + هِمْ)۔ حرف "س" مضارع کے شروع میں آتا ہے۔ عربی میں فعل مضارع حال اور مستقبل دونوں زمانے اپنے اندر رکھتا ہے، جب اس سے قبل حرف "س" آ جائے تو اس میں صرف مستقبل کے معنی باقی رہتے ہیں۔ حرف "س" استمرار یعنی ہمیشگی کا مفہوم بھی پیدا کرتا ہے۔ بعض کا یہ کہنا بھی ہے کہ جب کسی ایسے فعل کے ساتھ آئے جس میں وعدہ یا وعید پایا جائے تو اس سے تاکید (یقیناً) کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ "نُـرِي" جمع متکلم مضارع۔ اس کا مادہ "ر أ ی" ہے۔ اور اس کے معنی کسی مرئی چیز کا ادراک کر لینا۔ یہ لفظ آنکھوں سے دیکھنے یا عقل و بصیرت سے معلوم کرنے یا تصور میں دیکھنے سب کیلئے آتا ہے۔ "هِمْ" جمع مذکر غائب کی ضمیر ہے اور معنی "انہیں، ان قرآنِ مجید کا انکار کرنے والے لوگوں کو"۔

علم شئے کے ظاہر ہونے کا مرہون منت ہے۔ ظاہری علامت، نشانی، ءَ ايَةٍ بصارتوں کو دکھائی دیتی ہے۔ اور خالق شئے کے ظاہر اور باطن دونوں کو مکمل طور پر جانتا ہے اس لئے اس شئے کے متعلق اس کا قول، کلام اپنے آپ میں ءَ ايَةٍ ہے اس لئے ہمیں ان کے دکھائی دیئے جانے کا انتظار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہمارے پاس تو قرآنِ مجید کی آیات موجود ہیں

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ (حوالہ البقرۃ۔۲۶)

"پھر جو ایمان والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ (قرآنِ مجید میں دی گئی مثال، بات) ان کے رب کی جانب سے بیانِ حقیقت ہے"

سُبْحَـٰنَ رَبِّكَ رَبِّ ٱلْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾

"پاک ہے تمہارا رب، عزت، غلبہ و قوت والا رب، اس سے جو (تخیلاتی باتیں) وہ بیان کرتے ہیں

وَسَلَـٰمٌ عَلَى ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾ وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿١٨٢﴾

اور سلام ہو رسولوں پر۔ اور تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو رب العالمین ہے" (الصافات۔۱۸۰۔۱۸۲)